بچے کا تعارف اور اس کی زندگی کا حق

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
پرنسپل: پاکستان شپ اونرز گورنمنٹ کالج، کراچی

ABSTRACT

Prof. Dr. Salahuddin Sani

The Holy Prophet (ﷺ) clarified the rights of children and stopped this cruelty from the society. He explained the importance of children and also made ignorant people understand that poverty should not compel to kill the children because Allah The Almighty will make them eat and He is distributing the food and making each and every creation eat. He emphasized the noble status of girls and made every one aware that girls are mercy of Allah. Moreover, an organized system and superior principles were given by him. They are supporting the humanity and taking care of the rights of every man and woman of the world.

بچہ کے لئے عربی زبان میں طفل کا لفظ آتا ہے، جس کی جمع اطفال ہے۔ دوسرا لفظ ولد ہے، جس کی جمع اولاد ہے۔ لیکن بچہ کے عدم سے وجود میں کے دوران جو کیفیت ہوتی ہے اس کے لئے جنین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی قبل ازولادت کا وقت، اس کی جمع اجنۃ ہے۔(۱) قرآن کریم میں بچوں کا ذکران تینوں الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ کس طرح وجود میں آتا ہے، اس کی تخلیق کیسے ہوتی ہے؟ تخلیق کے اسٹیج کیا ہیں؟ قرآن ان سب سوالوں کے جواب دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ (۲)

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔

یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق کی، اس کے بعد ساری مخلوق کو انسان کی منی **(نطفہ)** سے جو کہ عورت اور مرد کی صلب سے رحم میں منتقل ہوتا ہے، پھر چالیس یوم تک اسی طرح رہتا ہے، اس کے بعد **(علقہ)** یعنی خون کے لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے اور چالیس یوم گذرنے کے بعد گوشت **(مضغة)** کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر فرشتہ روح پھونکتا ہے اور لوتھڑے سے پھر ہڈی میں تبدیل ہوتا ہے اور اس ہڈی پر پھر گوشت چڑھتا ہے اور اس طرح بچہ تخلیق پاتا ہے۔ (۳)

بچے اللہ کی نعمت ہیں:

اللہ تعالیٰ اسی وجہ سے اولاد کو دنیا کی زینت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۴)

مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کو مانگا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (۵)

اے میرے رب! مجھے نیک بیوی اور نیک اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعاء کی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (۶)

اے میرے رب مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

بچوں سے بالخصوص نیک بچوں سے دنیا و عاقبت دونوں سنورتی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جس سے اس کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے، ایک وہ مال جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا دوسرے نیک اولاد جو اس کے لئے ایصالِ ثواب کا ذریعہ بنتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالحمید لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی کی کیفیات بیان کر کے انسان کو اس کی حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ جس طرح تم اپنے کو قابل عزت و اکرام سمجھتے ہو، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ بچے عزت و احترام اور محبت کے مستحق ہیں اور آج تم جوان و معزز ہو تو یاد کرو کل تم بھی بچے ہی تھے (۷) اور اس جوانی کے ڈھلنے کے بعد بڑھاپے میں پھر بچوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ (۸) لہٰذا بچوں کا خصوصی خیال رکھو۔

بچے کے حقوق بعد از ولادت:

ولادت سے قبل کے اسٹیج ملاحظہ کئے، اب بعد از ولادت کے پانچ میں سے چار ملاحظہ کریں:

① پہلے مرحلہ کو ''صبی غیر ممیز'' کہا جاتا ہے یعنی بچہ کی وہ عمر جس میں اسے اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی، یہ سات سال کی عمر تک ہے(۹) اسے طفل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔لیکن بقول خالد علوی اہل عرب اس پیریڈ کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، دودھ پینے والے بچے کو ''ولید'' کہتے ہیں اور جو بچہ دودھ چھوڑ دیتا ہے اسے فطیم کہتے ہیں(۱۰) اس عمر کے بچہ کا حکم عدم اہلیت کی بناء پر مجنون کی طرح ہوتا ہے۔(۱۱)

② دوسرے مرحلہ کو ''صبی ممیز'' کہا جاتا ہے یعنی بچہ کی وہ عمر جس میں اسے اچھے برے کی تمیز ہو جاتی ہے، اس کا آغاز سات برس کی عمر سے ہوتا ہے بالغ ہونے تک، اور بلوغت احتلام یا حیض وحمل سے متحقق ہوتی ہے، فقہاء نے لکھا ہے بلوغ کی لڑکے کے لئے کم سے کم عمر بارہ سال ہے اور لڑکی کے لئے نو سال ہے۔اور زیادہ سے زیادہ لڑکے کے لئے انیس سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال ہے(۱۲) عرب اس عمر تک پہنچنے والے بچہ کو ''فتی'' کہتے ہیں(۱۳) احناف اس عمر کے بچہ کو بہت سے معاملات کا اہل قرار دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس عمر کا بچہ تراویح میں امامت بھی کرسکتا ہے۔(۱۴)

③ تیسرا مرحلہ ''رشد'' کا ہے یہ بلوغ کے بعد کی عمر ہے۔اگر بچہ بلوغت کو پہنچ کر بھی ہوشیار نہ ہو تو حکماً بعض معاملات میں بچہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں اور ولی کو حکم ہے کہ اس کے امور و معاملات جس میں اس کا مال بھی شامل ہے بچے کی نگرانی میں نہ دے۔اہل عرب عمر کے اس حصہ کو ''شباب'' کہتے ہیں جسے اردو میں نوجوان کہا جاتا ہے(۱۵) شرعاً اس پر تمام احکام نافذ ہوتے ہیں۔

④ اس کے بعد عمر کا جو حصہ ہے، اہل عرب اس میں پہلے حصہ کو شیخ اور آخری حصہ کو سہولت کا نام دیتے ہیں۔(۱۶) بچہ کی ایک تیسری قسم باعتبار جنس کے ''خنثیٰ'' ہے جسے اردو میں ہیجڑا کہا جاتا ہے، یعنی نہ مرد اور نہ مکمل عورت فقہاء نے اس پر مستقل مباحث لکھے ہیں لیکن بلوغت تک مندرجہ بالا احکام جاری ہوں گے۔غور فرمائیے اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل کتنی تفصیل اور احتیاط کے ساتھ بچوں کے احکام وحقوق کی وضاحت کی ہے۔دنیا کو آج بچوں کے حقوق یاد آرہے ہیں۔

بچوں کے حقوق پر ہندو مذہب سے تقابلی مطالعہ:

اس موقع پر تقابلی نقطہ نظر سے ہندو مذہب کا مطالعہ پیش خدمت ہے کہ وہ کس طرح ابتداء ہی سے تفریق و نسلی امتیازات پر معاشرہ کو تعمیر کرتا ہے منودھرم شاسترا کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے جعفر شاہ پھلواری نے لکھا ہے:

منو کے مطابق نومولود بچے کو اس کی نال کاٹنے سے پہلے اور ویدی آیات تلاوت کرنے کے بعد وہ لعوق چٹایا جائے جس میں سونے کے ورق، شہد اور گھی ملا ہوا ہو۔

پیدائش کے گیارہویں یا بارہویں دن بچے کا نام رکھا جائے۔ برہمن بچے کے نام ایسے ہوں جن کے معنی میں خوشی و مسرت کا پہلو پایا جائے۔ کھتری ہو تو اس کے نام میں ایسا لفظ ہو جس میں شجاعت و قوت کے معنی پائے جاتے ہوں۔ اگر بچہ ویش کا ہو تو اس کے نام میں ثروت وغنا کا مفہوم ہونا چاہئے اور اگر شودر کا ہو تو اس کا ایسا ہونا چاہئے جس سے ذلت اور اہانت ٹپکے۔

اگر نومولود لڑکی ہو تو اس کا نام ایسا ہونا چاہئے جس میں نرمی اور مٹھاس اور اس کا ادا کرنا آسان ہو۔ جب بچہ چار ماہ کا ہو جائے تو اسے گھر سے باہر لانا چاہئے اور چھ ماہ کے بعد کھانے کی کوئی چیز اس کے سامنے رکھنا چاہئے۔(۱۷)

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا:

كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أوينصرانه أويمجسانه(۱۸)

ہر بچہ فطرتاً مسلمان پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (ماحول) اس کو نصرانی، یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تین طبقے مرفوع القلم ہیں ان میں سے ایک بچے ہیں، یعنی ان پر شرعاً کوئی سزا لازم نہیں اور نہ ان کی کوئی ذمہ داری ہے، ہر قسم کی دینی و دنیاوی ذمہ داریوں سے آزاد ہیں، یہی وجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین کو تاکید کی ہے کہ عورتوں، بچوں اور راہبوں کو قتل نہ کریں، چاہے وہ بچے کسی بھی مذہب یا طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ بچے تو پھول ہیں، جہاں بھی کھلیں انہیں کھلا رہنا چاہئے، کسی کو انہیں مرجھانے کا حق نہیں۔

اہل مغرب کو بچوں کے حقوق کیوں یاد آئے؟

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ بچوں کے حقوق پر واویلا کرنے والے اب تک کہاں تھے؟ انہیں اچانک بچوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہوگئی؟ بات یہ ہے کہ مغرب عیاشیوں کے جب اسفل سافلین

(جہنم کا سب سے نچلا طبقہ) میں پہنچ گیا اور اس کے نتیجہ میں عائلی (خاندانی) نظام تباہ ہوگیا۔ ماں باپ نے اپنی عیاشیوں میں مگن ہوکر اولاد کے حقوق سے انحراف کیا تو اولاد نے بھی ماں باپ کے حقوق سے دست برداری اختیار کرلی۔ ماں باپ نے اولاد کو ''چلڈرن ہوم'' اور ''چلڈرن گارڈن'' میں پہنچایا تو بچوں نے بھی ماں باپ کو نرسنگ ہوم اور بوڑھوں کے لئے مخصوص اولڈ ہوم تک پہنچا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خاندان کے ساتھ ساتھ معاشرہ سے بھی کٹ گئے، بلکہ موت سے پہلے زندہ درگور ہوگئے، اولاد بھی اگر بہت فرماں بردار ہوتی ہے تو سال میں ایک دفعہ ملنے چلی جاتی ہے کارڈ یا پھولوں کا گفٹ بھیجنے پر اکتفا کرتی ہے۔

مغربی ممالک کے بارے میں تو ایسے واقعات بہت سنتے تھے کہ بوڑھا باپ ''نرسنگ ہوم'' میں پڑا ہوا ہے، وہاں اس کے باپ کا انتقال ہوگیا، آپ براہ کرم ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام کردیں، اور براہ کرم بل مجھے بھیج دیجئے میں بل کی ادائیگی کردوں گا۔(۱۹) اس انجام کو دیکھ کر اب انہیں بچوں کے حقوق یاد آئے ہیں، تاکہ بچوں کے اس باغیانہ رویہ کو ہمدردی اور حقوق کے نام پر قابو میں کرسکیں، بات صرف یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ مغرب کے ذہنی غلام جو ہمارے معاشرے کا ناسور ہیں، انہوں نے یہاں بھی اپنے والدین کو اسی انجام تک پہنچانا شروع کردیا ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

> ابھی چند روز پہلے ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں کراچی میں بھی ایک ''نرسنگ ہوم'' قائم ہوگیا ہے۔ جہاں بوڑھوں کی رہائش کا انتظام ہے، اس میں بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بیٹے کو اطلاع دی گئی، بیٹے صاحب نے پہلے تو آنے کا وعدہ کرلیا۔ لیکن بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو اس وقت فلاں میٹنگ میں جانا ہے، اس لئے آپ ہی اس کے کفن دفن کا بندوبست کردیں، میں نہیں آسکوں گا۔ یہ وہ اولاد ہے جس کو راضی کرنے کی خاطر تم نے خدا کو ناراض کیا، اس لئے وہ اب تمہارے اوپر مسلط کردی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ جس مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خدا کو ناراض کرو گے اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو تمہارے اوپر مسلط کردیں گے۔(۲۰)

اب میں اختصار السلام کے عطا کردہ حقوق میں سے چند اہم حقوق بیان کئے دیتا ہوں، جنہیں صلبی حقوق، پیدائشی حقوق، مالی حقوق، مذہبی و معاشرتی حقوق اور زندہ رہنے کا حق کا عنوان دے کر متعلقہ حقوق سے بحث کی جائے گی۔

صلبی حقوق:

بچہ کے حقوق قرآن وسنت میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، لیکن کچھ حقوق اس کی پیدائش سے پہلے کے حالات سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں میں نے صلبی حقوق کا نام دیا، یعنی وہ پیریڈ جب وہ ماں باپ کی صلب سے رحم میں منتقل ہو کر افزائش کے عمل سے گزرتا ہے، اس حوالہ سے پہلی بات جسے بچہ کے پہلے حق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، یہ ہے کہ نطفہ حلال ہو، یعنی یہ حمل کسی ناجائز ذریعہ (بغیر نکاح) سے نہ ٹھہرا ہو، اس لئے کہ بچہ کا اس میں اگرچہ کوئی قصور نہیں، لیکن ساری زندگی ناجائز نطفہ کا الزام تو اسی بچہ کو سہنا پڑے گا۔ اس لئے اسلام نے بچہ کو تحفظ دیتے ہوئے، زنا کو حرام ٹھہرایا ہے، دوسرا حق یہ ہے کہ جب حمل ٹھہر جائے، تو ماں ہر طرح سے اس کی حفاظت کرے تاکہ حمل ضائع نہ ہو، کسی قسم کی بے احتیاطی نہ کرے، ڈاکٹر اور طبیب سے چیک اپ کرواتی رہے، تاکہ اس کی مناسب انداز میں افزائش ہوتی رہے، کوئی جسمانی نقص نہ پیدا ہو سکے۔ تیسرا حق یہ ہے کہ عورت اپنی خوراک حلال رکھے، تاکہ بچہ کی تخلیق میں عورت کے توسط سے حرام خون شامل نہ ہو۔ چوتھا حق یہ ہے کہ ماں اپنا ماحول مذہبی رکھے، تاکہ بچہ پر اس کے اثرات پڑیں۔

خواتین انسائیکلوپیڈیا کی مصنفہ نے انہی امور کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے:

بچے خدا کی نعمت ہوتے ہیں، ان کی صحیح طرح سے نگہداشت کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ بچے کی پرورش میں جن احتیاطوں کی ضرورت ہے، اس کا سلسلہ حمل قائم ہونے سے پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ جس بچے کی صحت پیدائش کے وقت اچھی ہوگی، اسی کی پرورش بھی اسی قدر آسان ہوگی۔ لیکن بیمار، کمزور ضعیف العقل یا قبل از وقت مولود بچے کی پرورش میں بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ حالانکہ ان پریشانیوں کی وجہ بچہ نہیں بلکہ ماں باپ خود ہوتے ہیں۔ ماں باپ کی تندرستی کا اثر بچے کی تندرستی پر زیادہ ہوتا ہے اور ماں باپ کی تندرستی کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں کی ضرورت ہے لیکن وہ سب بعد کی ضرورت ہے۔

دوسری جو صحت اور تندرستی سے دوسرے درجے پر اہم ہے، وہ یہ کہ شادی سے پہلے مرد کمانے لگے، کم از کم اتنا کہ اس کا اور اس کی بیوی کا باعزت طریقہ پر بآسانی گزارا ہو کر کچھ نہ کچھ ضرور بچ رہا کرے، اگر تنگ دستی اور غربت میں شادی کر لی جائے اور اولاد پیدا ہونی شروع ہو تو ضروری اخراجات کا بوجھ زیادہ پریشان کرتا ہے۔ بچے اور بیوی کی مصیبتوں کے اصل ذمہ دار زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں، کیونکہ محنت اور عزت ودیانتداری سے کمائی نہ ہو تو انسان حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے، اس کی کوئی عزت نہیں کرتا، اس کے بچے کو لوگ قابل رحم سمجھتے ہیں یا ذلت کی

نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بیوی پیوند لگا لگا کر گزارا کر رہی ہے، بچے بھوکے مر رہے ہیں، اکثر لوگ اس بے عزتی کی زندگی سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ماں باپ کی صحیح تندرستی کے بعد پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے مالی طور پر ہر طرح سے تیار ہوں۔

اس کے علاوہ ماں باپ کی عادت نیک ہونی چاہئیں، اگر گھر میں محبت، خلوص، اعتماد اور ایک دوسرے کا احترام ہے تو گھر کا ماحول خوشگوار رہے گا اور اس کا اثر اولاد پر ضرور پڑتا ہے۔

ماں اور بچے کے اندرونی تعلق کو نہ ٹوٹنے دینے کے لئے ماں کو گرنے، چوٹ لگنے، ڈانس کرنے، گھڑ سواری کرنے، بھاری وزن اٹھانے، بہت زیادہ جھکنے، پیروں والی کپڑے سینے کی مشین چلانے سے پرہیز کرنا چاہئے، زمانہ حمل کے شروع اور آخری مہینوں میں زوجیت کے وظیفے سے احتراز کریں۔ حاملہ کو چاہئے کہ اونچی ایڑھی کی سینڈلوں کا استعمال کچھ عرصے کے لئے ترک کردے۔

حاملہ کے بیڈروم، سیٹنگ روم میں خاص طور پر خالص تازہ ہوا کہ ہمیشہ سپلائی رہنی چاہئے۔ حاملہ کی رہائش گاہ میں پینے کا اور دیگر استعمال کا صاف پانی موجود رہنا چاہئے۔ کھڑکیوں پر جالی اور پردے لگے ہوں کمرہ میں سلین نہ ہو۔ خشک اور روشن کمرہ ہو۔(۲۱)

قرآن کریم میں مسلمانوں کو نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (۲۲)

اللہ نے تمہارے لئے جو اولاد مقدر فرمائی ہے نکاح سے اس کو تلاش اور حاصل کرنے کی نیت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح غذا بقائے نفس کا سبب ہے، اسی طرح نکاح بقائے نسل کا سبب ہے، پس مستحب اور مسنون یہ ہے کہ غذا اور جماع کو (جو بظاہر حیوانی جذبہ اور فطری مطالبہ اور گویا دنیاوی ہے) بسم اللہ اور سورۂ قل ہو اللہ کہہ کر شروع کیا جائے تا کہ پھر یہی چیز دین بن جائیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی اور اس کے شیطان سے محفوظ رکھنے کی دعاء کرے۔ قرآن کریم میں ہے ''اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، میں تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دوں گا۔

حدیث میں ہے: ''جس نے تنگدستی کے خوف سے نکاح نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹا دنیا میں نور ہے اور آخرت میں سرور ہے''۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کرتے رہو، میں تمہیں تمہاری کثرت پر قیامت میں فخر و ناز

کرنے والا ہوں''۔

ان ارشادات سے حسب ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

① بچوں کی پیدائش سے تنگ دل نہ ہو۔ تنگدستی کا اندیشہ شیطان کی طرف سے ہے۔ روزی دینے والا خدا ہے۔

② مسلمان کی کثرت کی تمنا خود رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ قیامت میں مسلمان کی کثرت تو اسی وقت ہوگی، جب دنیا میں مسلمانوں کی مردم شماری زیادہ ہو۔ پس مبارک ہے وہ مسلمان جو حضور اقدس ﷺ کی تمنا پوری کرنا چاہے۔

③ اولاد سے دنیا میں ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے اور نیک اولاد تو قیامت میں بھی والدین کے کام آئے گی۔ جہاں اللہ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے سوا اور کچھ نافع نہ ہوگا۔

④ برتھ کنٹرول (ضبط تولید) حکم خدا کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں یہ نہیں پھیلنی چاہئے۔ ہاں اگر بیوی کی سخت بیماری اور ہلاکت کا اندیشہ ہو یا قوی احتمال ہو کہ اولاد ہوگی تو اس کے لئے باپ حرام کمائی پر مجبور ہوگا۔ تب ضبط تولید کا کوئی جائز عمل جائز ہو سکتا ہے۔ (۲۳)

بچہ اور اس کے تحفظ و افزائش کے لئے ضروری تھا کہ اس کی ماں کو تحفظ دیا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (۲۴)

یعنی عام حالات میں تو شوہر پر ذمہ داری ڈالی ہی گئی ہے کہ وہ بیوی کے اخراجات اٹھائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے زوجیت کا تعلق طلاق کی وجہ سے ختم ہو گیا ہو اور بیوی حمل سے ہو تو بھی بچہ کی پیدائش تک اپنی سابقہ بیوی کے اخراجات ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

زندہ رہنے کا حق:

زندہ رہنے کے حق کا تعلق پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد دونوں سے ہے اس لئے دوسرے نمبر پر رکھتے ہوئے اس کے بارے میں عرض کروں گا کہ ماں کے پیٹ میں جب تک رہتا ہے اسے ''جنین'' کہتے ہیں اس عرصہ ہر ایسا عمل جس سے بچہ کی زندگی کو نقصان پہنچے جرم ہے اس پر تاوان ہے، جس کی تفصیل اس طرح ہے:

اسقاطِ حمل، حمل گرا دینے کو کہتے ہیں۔ عہد حاضر میں یہ مسئلہ بڑا اہم ہو چکا ہے۔ ضبطِ تولید کی ایک صورت یہ ہے کہ حمل قرار پا جانے کے بعد اسے برباد کر دیا جائے۔ اس سفاک طرز عمل کو ''اسقاطِ

حمل'' کہتے ہیں۔ اسقاطِ حمل کے سلسلہ میں کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ حمل پر آنے والے مختلف مراحل کا فرق پیش نظر رہے۔ استقرارِ حمل کے بعد نطفہ ابتدائی ایام میں محض خون اور گوشت کی صورت میں رہتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس میں روح اور زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور پھر ایک جاندار بچے کی شکل ہو جاتی ہے۔

روح اور آثار زندگی پیدا ہو جانے کے بعد اسقاطِ حمل کی حرمت میں تو شرعاً کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں ہے، اس لئے کہ جب حمل میں زندگی پیدا ہوگئی تو ایک زندہ نفس اور اس کے درمیان اس کے سوا اور کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا کہ ایک پردۂ رحم میں لپٹا ہوا اور دوسرا اس دنیا میں دنیائے آب وگل میں آچکا ہے، قتل نام ہے کسی زندہ وجود کو زندگی سے محروم کر دینے کا، یہ جرم اگر بطن مادر میں ہو تو بھی نفس کشی ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد ہو تو بھی نفس کشی ہے، دواؤں اور گولیوں کے زور سے یہ کارنامہ انجام پائے، تو بھی قتل ہے اور تلوار اور لاٹھی کا سہارا لیا جائے، تو بھی قتل ہے۔ **لاتقتلوا اولادکم** کے مخاطب اگر بچوں کو زندہ درگور کر دینے والے ہوتے ہیں، تو آخر وہ لوگ اس سے کیونکر دامن کش ہو سکتے ہیں، جو رحم مادر میں پلنے والے بچوں کو زندگی کی نعمت سے محروم کر دیں۔ اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق اس صورت میں اسقاط کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

میں اس سلسلے میں صرف دو بلند پایہ فقیہ احمد علیش مالکی اور حافظ ابن تیمیہ حنبلی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، اول الذکر بزرگ کی رائے یوں ہے:

والتسبب فی اسقاطہ بعد نفخ الروح فیہ محرم اجماعاً و ہو من قتل النفس

روح پیدا ہونے کے بعد اسقاطِ حمل کی تدبیریں اختیار کرنا بالاجماع حرام ہیں اور یہ قتل نفس ہے۔

اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

اسقاط الحمل حرام باجماع المسلمین وہو من المراد الذی قال تعالیٰ فیہ واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت

اسقاطِ حمل بالاجماع حرام ہے اور وہ اسی نفس کشی میں داخل ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زندہ دفن کر دی جانے والی معصوم بچیوں سے سوال کیا جائے گا کہ آخر تمہیں کس جرم میں قتل کر دیا گیا۔

بلکہ قاضی خان (۵۹۲ھ) نے تو لکھا ہے کہ اگر ماں کی جان کو خطرہ ہو تو بھی ایسے بچہ کی جان

نہیں لی جاسکتی، جو ابھی حمل ہی میں ہو اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں جب بچہ حاملہ عورت کے پیٹ میں وجود پذیر ہو جائے اور بچہ کو نکالنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو کہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر نکال لیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا جائے، تو ماں کی ہلاکت اور جان جانے کا خطرہ ہو تو فقہاء کی رائے ہے کہ اگر بچہ پیٹ میں زندہ نہ ہو، مردہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر بچہ بطن مادر میں زندہ ہو تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کاٹنا اس طرح روا نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایک جان کو بچانے کے لئے دوسری جان کو مار ڈالنے کے مترادف ہوگا اور یہ درست نہیں ہے۔(میرے خیال میں جب بچہ اور ماں کی زندگی میں سے کسی ایک کو بچانا ممکن ہی ہو تو ماں کو بچانا بہتر ہوگا)۔

رہا روح پیدا ہونے سے پہلے تو بلاشبہ یہ اس قتل کے زمرہ میں نہیں آتا جس کا ذکر ابھی ہوا ہے مگر مانع حمل دواؤں کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے کہ فقہاء اس قسم کے مسائل میں مآل (انجام) کو ملحوظ رکھ کر ہی کوئی حکم لگاتے ہیں، لہٰذا اس حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اسے بھی جائز قرار دینے کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ انسانی ڈھانچہ مکمل ہونے سے پہلے بھی وہ زیر تخلیق وجود ایک انسان اور کامل الخلقت وجود ہی کے حکم میں ہوگا۔ چنانچہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ:

وما استبان بعض خلقه كظفر وشعر كتام

اور جس کی بعض خلقت نمایاں ہو جائے جیسے ناخن اور بال تو وہ تام الخلقت کی طرح ہے۔

درر الاحکام میں ہے:

الجنين اللذى استبان بعض خلقه بمنزلة الجنين التام

ایسا حمل جس کے بعض اعضاء دیکھنے میں آجائیں، کامل الخلقت وجود کے درجہ میں ہے۔

شیخ عبدالرحمن الجزیری احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء احناف نے کہا کہ جس کے بعض اعضاء نمایاں ہو جائیں وہ تمام احکام میں ایک کامل الخلقت وجود کے درجہ میں ہے۔

الاستاذ خضری بک نے اس مسئلہ پر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بطن مادر میں رہنے والے بچہ کی دو حیثیت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ اپنی ماں ہی کا جز ہے اور اسی کے ساتھ اس کا وجود قائم ہے، بچہ کی اپنی مستقل حیثیت نہیں ہوتی اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نہ بچہ پر کچھ واجب ہو اور نہ

اس کا دوسرے پر کوئی حق ہو، اور اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنا ایک الگ مستقل جسم رکھتا ہے اور جب اس کے اندر زندگی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس معاملہ میں بھی اپنی مستقل حیثیت کا حامل رہتا ہے۔ ماں کے مرنے سے وہ مرنہیں جاتا اور ماں کے زندہ رہنے سے ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی زندہ ہی رہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر ذمہ داریاں بھی ہوں اور اس کے لئے زندہ انسانوں کی طرح حقوق بھی ثابت ہوں مثلاً اس کو بھی وراثت ملے، اس کے لئے بھی وصیت درست ہو۔

ان دو متضاد حیثیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ رائے قائم کی کہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس کو مستقل نہیں مانا جائے اور اس پر دوسروں کے حقوق واجب نہ قرار دیئے جائیں، لیکن حقوق کے اعتبار سے ان کو مستقل اور علیحدہ وجود تسلیم کیا جائے ان کو وراثت ملے، وصیت ان کے واسطے درست ہو اور ماں سے الگ کر کے صرف اس بچہ کو آزاد کرنا درست ہو۔

اسی اصول کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تکمیل خلقت سے پہلے ہی حمل ساقط کر دیا جائے تو شرعاً وہی ضمان واجب ہوتا ہے جو ایک کامل الخلقت حمل ضائع کرنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔

جس نے کسی حاملہ کے پیٹ پر مارا اور حمل ساقط ہو گیا تو چاہے اس کی خلقت پوری ہو گئی یا ابھی پوری نہ ہو سکی ہو تو بالاجماع غرہ (ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا) واجب ہوگا، اس لئے کہ اس سے ایک کامل انسان کی خلقت متوقع تھی، جیسا کہ مذکور ہوا۔ اسقاط حمل کو احادیث اور متقدمین کی کتابوں میں عام طور پر اسقاط جنین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جنین فقہاء اور اہل لغت کی اصطلاح میں وہ چیز ہے جسے رحم کا غلاف چھپائے رہے، چنانچہ تحفۃ المحتاج میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے شہاب الدین ابن حجر فرماتے ہیں:

الاجتنان الاستتار ومنه الجن يسمى جنيناً

اجتنان کے لغوی معنی چھپے ہوئے ہونے کے ہیں ل اور اسی سے جن مشتق ہے۔

اور اسی وجہ سے جنین کو جنین کہتے ہیں۔ لفظ ''جنین کی یہی تشریح عربی کی شہرۂ آفاق لغت ''المنجد'' میں بھی کی گئی ہے۔ اس تشریح کے مطابق جنین کا لفظ جاندار اور بے جان دونوں طرح کے حمل کو شامل ہے اور جہاں بھی لفظ جنین آئے گا، تو اس سے متعلق احکام دونوں ہی حالت میں نافذ ہوں گے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم اسقاطِ جنین کے سلسلہ میں احادیث اور فقہاء کی آراء نقل کریں گے۔ جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حمل کا اسقاط ہر مرحلہ میں ایک قابل سرزنش جرم ہے روایت میں ہے:

ان رسول الله ﷺ قال في الجنين غرة عبد او امة

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنین کے اسقاط میں ایک غرہ یعنی ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا واجب ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک عورت نے دوسری حاملہ عورت کا پیٹ دبا دیا، جس سے اس کا حمل گر گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ معاملہ پہنچا تو انہوں نے اس عورت کو ایک غلام دینے کا حکم دیا۔

اور جب مرد کسی عورت کا پیٹ دبا دے پھر اس عورت کو ایک مردہ بچہ (جنین) پیدا ہو تو ایک غرہ یعنی ایک غلام یا باندی واجب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص حاملہ باندی کے پیٹ پر مارے اور مردہ بچہ نکل آئے تو ایسی صورت میں اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ یہ اس وقت ہے جب بچہ میں زندگی پیدا ہو جانے کے کوئی آثار نہ ہوں، یہی رائے ابن مسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی کی بھی ہے۔

حنبلی مکتبہ فکر کے مشہور فقیہ شرف الدین موسیٰ مقدسی (م ۹۶۸ھ) فرماتے ہیں:

آزاد مسلمان جنین (بطن مادر میں رہنے والے بچے) کو ارادی یا غیر ارادی طور پر گرا دینے اور اسقاط کر دینے کا تاوان ایک غلام یا باندی ہے جس کی قیمت پانچ اونٹ کو پہنچ جاتی ہے، خواہ وہ مردہ پیدا ہوا ہو یا زندہ، چھ ماہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی یا اس حال میں اسقاط ہوا ہو کہ ابھی اس کے بعض حصے ہی وجود پا سکے ہوں یا صرف زیر تخلیق بچہ کا ہاتھ اور پاؤں ہی عورت نے جنا ہو، پھر یہ اسقاط کا حادثہ مار پیٹ کی وجہ سے پیش آیا ہو یا دوا اور کسی دوسرے طریقہ سے اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل بھی زندگی پیدا ہونے سے پہلے ہی حمل میں پلنے والے بچے کو ایک وجود تصور کرتے ہیں اور اس پر زیادتی اور تکمیل خلقت کا دروازہ بند کرنے کو قابل سرزنش جرم قرار دیتے ہیں۔ نیز شرف الدین مقدسی کی تصریح کے مطابق اس مقصد کے لئے جو بھی ذرائع استعمال کئے جائیں، مار پیٹ یا دوا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ چوں کہ ایک دوسرا آدمی کسی کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر جبراً اور ظلماً یہ حرکتیں کرتا ہے اس لئے اس کو جرم قرار دیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی از خود اپنی مرضی سے ایسا کرے تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر آخر یہ عبارتیں اپنی خوشی اور خواہش سے اسقاطِ حمل کے ناجائز ہونے کی دلیل کیوں کر ہو سکتی ہیں؟

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں بھی رکھنی چاہئے کہ اسلام میں انسان خود اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہے، اس کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بلا وجہ کوئی حصہ جسم کا کاٹ پھینکے، اپنا کوئی عضو کاٹ ڈالے یا خودکشی کر لے اس لئے اگر اس قسم کی حرکتیں، دوسروں کے لئے ظلم اور سزا کا موجب ہیں تو خود

اس کو بھی شریعت مجرم ٹھہراتی ہے اور بسا اوقات سزا کا مستحق قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ایسی حرکتوں کے ارتکاب پر عورت کو "قاتلہ" قرار دیا ہے، چنانچہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

ولا یخفی انها تأثم اثم القتل لو استبان قتله ومات بفعلها

اور یہ بات ظاہر ہے کہ آثار خلقت کے ظہور کے بعد اگر پیٹ کا بچہ عورت کی کسی حرکت سے مرگیا تو اس کو قتل کا گناہ ہوگا۔

ابراہیم نخعی سے اسقاطِ حمل کے سلسلہ میں منقول ہے:

ابراہیم نخعی نے ایسی عورت کے سلسلے میں جس نے دوا پی کر یا کچھ داخل کر کے اپنا حمل ساقط کرلیا ہو، کہا ہے کہ کفارہ دے اور اس پر ایک غرہ، غلام یا باندی کو خرید کر آزاد کرنا، واجب ہے۔

قاضی خاں نے تو اس سلسلہ میں بڑی عمدہ بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

اسقاطِ حمل اگر زندگی پیدا ہونے کے بعد ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی حرمت میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا، لیکن اگر زندگی کے ظہور سے پہلے ہی اسقاط ہو تب بھی جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ جب تک روح نہ پیدا ہو جائے حمل کو عورت ہی کا ایک جزو اور حصہ بدن تصور کیا جائے گا، اور جس طرح کسی کا قتل درست نہیں ہے، اسی طرح اپنے جسم کے کسی حصہ کو بھی کاٹ پھینکنا حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں اپنی کارسازی کا سکہ چلانے کے مترادف ہے۔(۲۵)

مولانا خالد سیف اللہ لکھتے ہیں:

ان باتوں کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ اسقاطِ حمل جس طرح روح پیدا ہونے کے بعد حرام ہے، اسی طرح پہلے بھی حرام ہے اور کسی ناگزیر عذر اور غیر معمولی مجبوری کے بغیر کسی بھی مرحلہ میں اس کا ارتکاب شرعاً جائز نہیں۔(۲۶)

بچہ کی زندگی ضائع ہونے کی ایک اور صورت ہے جو عربوں میں رائج تھی، یعنی پیدائش کے بعد اگر لڑکی ہوتی تو اسے زندہ درگور کردیا کرتے تھے، قرآن کریم نے اس پر گرفت کرتے ہوئے کہا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝
يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ
أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ (۲۷)

جب مشرکین مکہ میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو سارا دن اس کا

چہرہ بے رونق رہتا اور وہ دل میں کڑھتا رہتا ہے اور قوم سے اس خبر کی بنا پر چھپتا پھرتا ہے، اور سوچتا ہے آیا ذلت برداشت کر کے اسے زندہ رکھے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔ بعض افراد شقاوت میں مزید آگے نکل جاتے تھے۔ وہ بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔

قرآن کریم نے ان کے بارے میں کہا ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ (٢٨)

قیامت کے دن زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی؟

اسلام نے جس طرح پیدائش سے پہلے بچہ کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے اسی طرح پیدائش کے بعد بھی زندہ رہنے کا حق دیا ہے اور مندرجہ بالا آیات میں یہ وضاحت کردی ہے کہ بچوں کو مساوی بنیادوں اور عزت کے ساتھ جینے کا حق ہے نہ کسی بچہ کو منحوس اور وجہ شرمندگی سمجھا جائے اور نہ کسی کو ثانوی حیثیت دی جائے۔ اس کے خلاف عمل کرنا بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

کچھ حقوق وہ ہیں جن کا تعلق بچہ کے پیدا ہونے کے بعد سے ہے انہیں ہم پیدائشی حقوق کا عنوان دے سکتے ہیں، یہ حقوق بھی دو قسم کے ہیں ایک مذہبی دوسرے معاشرتی۔ مذہبی حقوق میں پہلا حق یہ ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد جو اسلامی احکامات اس سے متعلق ہیں انہیں ادا کیا جائے مثلاً اذان و اقامت، تحنیک عقیقہ (اگر مالی وسعت ہوتو)، مساوات، ختنہ کرانا، تعلیم، تربیت، مالی کفالت، ماں کے پاس رہنے کا حق قابل ذکر ہے۔

اور معاشرتی حقوق میں سے بچہ کو دودھ پلانا، علاج کرانا، اس سے محبت کرنا، اچھا نام رکھنا، کھیل کود، ورزش کے مواقع فراہم کرنا، سردی گرمی کا مناسب لباس فراہم کرنا شامل ہیں۔

بچے کے بہت سے حقوق وہ ہیں جنہیں مالی حقوق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بچہ کی مالی کفالت کی جائے، اس کے لباس اور تعلیم پر رقم خرچ کی جائے، بچہ اگر سن تمیز کو پہنچ چکا ہوتو خود بھی کاروباری معاملات کرسکتا ہے۔ البتہ اگر اسے نقصان پہنچنے کا امکان ہوتو فقہاء نے ایسے لین دین کو اس کے سرپرست کی اجازت کے ساتھ مشروط رکھا ہے۔ اگر مالدار ہے تو زکوۃ لازم ہوگی یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اسی طرح اگر کوئی اسے وراثت سے محروم کرنا چاہئے تو شرعاً وہ ایسا نہیں کرسکتا حتیٰ کہ اگر والد بھی جائیداد سے محروم کرنا چاہے جسے عاق کرنا کہا جاتا ہے تو اسلام میں اس کی گنجائش نہیں بلکہ اگر اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کی تقسیم کرتے ہوئے اگر ایک بچہ کو زیادہ دوسرے کو کم یا ایک کو سب کچھ دوسرے کو محروم کرنا

چاہے تو اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

اسلام نے معاشرہ کے تمام لوگوں کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ معاشرتی توازن قائم ہو سکے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

کلکم راع و کلکم مسؤول عن رعیته

تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس کیا جائے گا۔

ماں باپ سے، معاشرہ کے ذمہ داروں سے اگر معاشرہ کا ایک طبقہ اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کرے تو دوسرا طبقہ اپنے اوپر لازم ذمہ داریاں کرتا رہے، ہر ایک سے اس کے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا، پہلے کی عدم ادائیگی سے دوسرا بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

حواشی وحوالہ جات:

١۔ سورہ نجم، آیت ٣٢، واذانتم اجنة فی بطون امهاتکم

٢۔ سورہ مؤمنون، آیت ١٢

٣۔ سورہ مؤمنون: ١٤، اور سورہ حج: آیت ٥، تفسیر دیکھئے: المنیر فی العقیدہ والشریعة الدکتور وهبه الزحیلی، ج٧، ص ١٦١۔٥٢، دارالفکر المعاصر بیروت

٤۔ سورہ کهف ١٨، آیت ٤٦

٥۔ سورہ فرقان ٢٥، آیت ٧٤

٦۔ سورہ آل عمران، آیت ٣٨

٧۔ الرسول العربی الدکتور عبدالحمید الهاشمی، (دارالهدیٰ والنشر الریاض الطبعة الثانیه ١٩٨٥ء، ص ١١٣

٨۔ الحج، ٥، الی ارذل العمر سے اسی طرف اشارہ ھے۔

٩۔ کتاب جمل الاحکام ابی العباس احمد بن محمد بن عمر الناطفی، تحقیق حمد الله سید جان مکتبه نزار مصطفی الباز مکة المکرمة ١٩٩٧ء، ص ١٨٥، اور الموسوعة الجنائیة فی الفقه الاسلامی الدکتور احمد فتحی بهنسی، دار النحضة العربیة بیروت ١٩٩١ء، ج ٤، ص ٦

١٠۔ اسلام کا معاشرتی نظام خالد علوی، المکتبة العلمیة، لاهور ١٩٦٨ء، ص ٦١

١١۔ کتاب جمل الاحکام، ص ٨٥، اور الموسوعۃ الجنائیۃ ج٥، ص ٦

١٢۔ ایضاً، ص ٨٦، اور الموسوعۃ الجنائیۃ ج ٤، ص ٧

١٣۔ علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ٦١

١٤۔ کتاب جمل الاحکام، ص ١٨٦

١٥۔ علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ٢١

١٦۔ ماھنامہ بزم قاسمی جولائی ١٩٩٨ء، ص ١٧٩، سیرت النبی ﷺ نمبر مقالہ بشریٰ بیگم

١٧۔ اجتہادی مسائل شاہ محمد جعفر شاہ پھلواری، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاھور، ص ٢٩٨

١٨۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، ج ٢، ص ٨٧ موطا امام مالک، جامع الصغیر لجلال الدین سیوطی، ج ٤، ص ٩٤، کنزل العمال، ج ٢، ص ٣٩٣، سنن الکبریٰ للبیھقی معجم الکبیر للطبرانی اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ھے۔

١٩۔ اصلاحی خطبات جسٹس مفتی محمد تقی عثمان، ج ٤، ص ٣٢

٢٠۔ ایضاً

٢١۔ خواتین گھریلو انسائیکلوپیڈیا شگفتہ محمود، مکتبہ خواتین ڈائجسٹ اردو بازار کراچی، طبع اول ١٩٩٨ء، ص ٧٧تا ٧٩

٢٢۔ سورہ بقرہ: آیت ١٨٧

٢٣۔ معمولات نبوی ﷺ عبدالقدوس رومی، ادارہ تالیفات اشرفیہ لاھور، ١٤٠٨ھ، ص ٤٥۔٥٥

٢٤۔ سورہ طلاق: آیت ٦

٢٥۔ قاموس الفقہ، مولانا خلد سیف اللہ رحمانی، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی، ج١، ص ٣٢٠ تا ٣٢٤

٢٦۔ ایضاً، ج ١، ص ٣٢٥

٢٧۔ سورہ نحل، آیت ٥٨۔ ٥٩

٢٨۔ سورہ التکویر، آیت ٨۔ ٩